قرآن فہمی کے داخلی وخارجی اصول

The Internal and external Sciences of the Holy Qur'an

☆ ڈاکٹر ثناء اللہ

ABSTRACT

The Proper approach to the Quran can be described in three stages: first, receive the message of the Quran by hearing or reading it Second: understanding the message of the Quran by reflecting upon it and studying its meaning third: apply the message of the Quran by ordering your personal life as well as the life of Society according to its message. The branch of Knowledge called "Ulum al Quran" my be used as a means for the accomplishment of the second stage, understanding the message of the Quran by understanding its setting and circumstances, Muslims have from earliest times, applied themselves not only to the message from Allah. The Quran, but also to its setting and framework, and the preoccupation with these ultimately developed into the "Knowledge" about the Quran. In this paper, there are a number of matters related to the study of the Quran to which I have drawn special attention, and also highlighted

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

the external and eternal "Science" of the Holy Quran, which shows the primary importance in the understanding of the Holy Quran.

مقدمہ:

نحمد و نصلی علی رسوله الکریم و بعد ۔ قرآن کریم کے معانی و مطالب کی توضیح و تشریح کے لیے علم تفسیر کے چند مبادی ہیں جن کی معرفت قرآن فہمی کے لیے ناگزیر ہے۔ان اصول و مبادی کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔مثلاً مبادی تفسیر، اصول قرآن، قرآن فہمی کی شرائط فہم قرآن کے ذرائع و وسائل، قرآن فہمی کے وسائل و عناصر، اصول تفسیر، اصول فہم قرآن، اصول و مبادی، مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی، مبادی تدبر قرآن، علم تفسیر کے قواعد، علم تفسیر کی اساس، تفسیر کے قواعد، علم تفسیر کی اساس، تفسیر قرآنی کے مصادر، تفسیر قرآنی کے مآخذ، تفسیری منابع اور علوم القرآن وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔قرآن کریم کا فہم ان اصول تفسیر کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

ایک مدوّن فن کی حیثیت سے اصول التفسیر یا اصول القرآن اور علوم القرآن سے مقصود وہ تمام علوم و مباحث علمیہ ہیں جو قرآن کریم سے متعلق ہیں۔مثلاً قرآن کریم کا تعارف، اس کی فنی تعارف نزول قرآن کریم کی کیفیت، قرآن کی تدوین و کتابت، قرآن کی قراءات اور رسم الخط سے تعلق رکھنے والی مباحث شان نزول کی مباحث، قرآن کی آیات، اعجاز القرآن کی وجوہات، تفسیر (۱) و تاویل (۲) کا مفہوم، محکم و متشابہ، مکی مدنی، ناسخ و منسوخ، امثال القرآن، اقسام القرآن مفسر کے لیے شرائط و اہلیت، اسماء قرآنی اور اس قسم کی دیگر مباحث اس میں شامل ہیں۔اور ان علوم اور اصول کی کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔

چند اہم اصول تفسیر کا تعارف:

قرآنی معارف و مطالب کے فہم اور قرآن کے غوامض و مشکلات کے انکشاف کیلئے ان قواعد و ضوابط (اصول تفسیر) کی معرفت بہت ضروری ہے۔یہ قواعد تفسیر قرآن میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ذیل میں چند اہم

مبادی تفسیر کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ کتاب اللہ کے فہم میں ان کی اہمیت واضح ہو سکے۔

ا۔ تفسیر القرآن بالقرآن:

الفاظ قرآن کی تفسیر قرآنی آیات سے کرنا کسی کلام کا حقیقی مدعا صحیح معنوں میں خود متکلم بہتر انداز میں واضح کرسکتا ہے۔ قرآن کریم تفسیر قرآن کا پہلا ماخذ اور مصدر ہے زرکشی لکھتے ہیں۔ "أحسن طریق التفسیر أن یفسر القرآن بالقرآن"[۳]

(تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے قرآن کی تفسیر کی جائے) سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ "اِن التفسیر یُطلبُ أولاً من القرآن" [۴] یعنی سب سے پہلے قرآن کو قرآن سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں " فان قال قائل فما أحسن طرق التفسیر فالجواب أن أصح الطرق فی ذلك أن یفسر القرآن بالقرآن فما أجمل فی مکان فانه قد فسر فی موضع آخر وما اختصر فی مکان فقد سبط فی موضع أخر"[۵] پس اگر کوئی پوچھے کہ تفسیر کا سب سے بہترین طریقہ کون سا ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ سب سے احسن طریقہ تفسیر یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے کیونکہ اگر ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل ہوتی ہے اور اگر ایک جگہ ابہام ہے تو دوسری جگہ اس کی وضاحت ہوتی ہے:

اس لیے جو شخص کتاب اللہ کی تفسیر کرنا چاہتا ہو تو اسے سب سے پہلے خود قرآن کریم پر غور وفکر کرنا چاہئے کیونکہ قرآن حکیم ایجاز[۶] واطناب[۷] اجمال وتفصیل، اطلاق[۸] وتقید[۹] اور عام[۱۰] اور خاص[۱۱] پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم میں جو بات ایک مقام پر مختصر ہے تو یہی بات دوسرے مقام پر مفصل بیان کی گئی ہوتی ہے۔

قرآن کریم کے ذریعے قرآن کی تفسیر کی ایک صورت یہ ہے کہ مجمل آیات کو واضح آیات پر محمول کر کے تفسیر کی جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ"[۱۲] ''بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا، راستہ ان لوگوں کا جس پر آپ نے انعام فرمایا ہے'' اس آیت میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ وہ کونسے لوگ مراد ہیں جن پر انعام کیا گیا ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں اس کی صراحت کردی گئی ہے۔ " فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ" [۱۳] (ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء سورۃ فاتحہ میں بیان کیے گئے اجمال کی یہ تفسیر وتوضیح ہے۔

۲۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ اور مصدر نبی کریم ﷺ کی احادیث ہیں قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس بات کی توضیح کی گئی ہے کہ اس دنیا میں رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے قول و فعل سے آیات قرآنیہ کی تفسیر کریں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم کا شارح ومبین کہا گیا ہے "اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ "(۱۴) بے شک ہم نے آپ ﷺ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تا کہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتلایا ہے (بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ) سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم کے احکام ومعارف ومفاہیم بھی سمجھائے ہیں اور آپ ﷺ کا یہ فرض منصبی بتلایا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتائے گئے معانی ومفاہیم کے مطابق لوگوں کے تنازعات اور معاملات کے فیصلے کریں۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے "لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ" (۱۵) حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا بھیجا ان میں ان کے جنس سے رسول کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ "(۱۶)

اور آپ ﷺ پر یہ قرآن کریم اتارا ہے تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ﷺ لوگوں کے لیے واضح اور ظاہر کریں۔

ان مذکورہ اور دیگر متعدد قرآنی آیات کریمات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کے اسرار ومعارف سے آگاہ کریں۔ اس لیے قرآن کریم سے ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات تفسیر قرآن کا اہم ترین مصدر ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں " فان اعياك ذلك فعليك بالسنة فانها شارحة للقرآن موضحة له بل قد قال الامام ابو عبد الله محمد بن ادريس الشافعي كل ما حكم به رسول الله ﷺ فهو بما فيه من القرآن" (۱۷) جمال الدین قاسمی (۱۳۳۲ھ) لکھتے ہیں " ان السنة تفسر الكتاب و تبينه " (۱۸) ذیل

میں سنت نبوی ﷺ سے قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح کے حوالہ سے نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) حضرت عدی سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''مغضوب علیھم '' سے مراد یہود اور (الضَّآ لِّیۡنَ) سے مراد نصاری ہیں [۱۹] قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے ''لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَۃٌ'' [۲۰] اس آیت میں احسان سے مراد اخلاص یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور ہر قسم شرک سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور '' الۡحُسۡنٰی '' سے مراد '' الحیاۃ الۡحُسۡنٰی '' اچھی زندگی '' یعنی جنت کی زندگی ہے۔ لیکن '' زِیَادَۃٌ '' یعنی مزید نعمت سے کیا مراد ہے؟ اس کا تعین لغوی معنی اور سیاق کلام سے نہیں ہوسکتا۔ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے اس کی صراحت ہوجاتی ہے۔ '' عن صھیب عن النبی ﷺ فی قولہ تعالیٰ للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ قال اذا دخل أھل الجنۃ الجنۃ نادی مناد أن لکم عند اللہ موعد ا یرید أن ینجز کموہ قالوا ألم یبیض وجوھنا أ و ینجنا من النار وید خلنا الجنۃ، فیکشف الحجاب قال فواللہ ما اعطاھم اللہ شیاً أحب اِلیھم من النظر الیہ'' [۲۱] اور اہل جنت کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہوجائے گا۔ فرمایا اللہ کی قسم! اللہ نے انہیں کوئی چیز نہیں دی ہوگی جو ان کو اللہ کی رؤیت سے زیادہ محبوب ہو۔

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت نبوی قرآن کریم کی شارح ہے، اس کے ذریعے مجمل، مشکل و دقیق مقامات قرآنی الفاظ واحکام اور حلال وحرام کی توضیح ہوتی ہے۔ اس لیے تفسیر قرآنی کے لیے سنت نبوی کی جانب رجوع ناگزیر ہے، کیونکہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے ''وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ۔ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی''۔ [۲۲]

۳۔ اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین:

نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام قرآن کریم کے ظاہری احکام ومسائل کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے قرآن کریم ان نفوس قدسیہ کی موجودگی میں انہی کے احوال وظروف کے مطابق نازل ہوا اور وہ اس کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لیے وہ اس کے متعلق ہر لحاظ سے زیادہ فہم رکھتے تھے۔ امام بن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

'' اذا لم نجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنۃ رجعنا فی ذلک اِلی أقوال الصحابہ فانھم ادری بذلک لما شاھدوا من القرآن و الاحوال التی اختصوا بھا و لما لھم من الفھم و العلم

الصحیح لاسیما علماؤھم و کبراؤھم کالأئمة الأربعة الخلفاء الراشدین و الائمة المھدیین مثل عبد الله بن مسعود "(۲۳)

اور جب قرآن وسنت سے تمہیں تفسیر معلوم نہ ہو تو لازم ہے کہ تم اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرو، فہم قرآنی کا یہ زیادہ معقول طریقہ ہے۔ کیونکہ اس کے مخصوص شواہد قرآن سے وہ لوگ زیادہ واقف تھے ان حضرات کو نہ صرف اس کا مکمل فہم اور صحیح علم حاصل تھا بلکہ وہ اس پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے، خاص طور پر ان کے علماء و اکابر مثلاً ائمہ اربعہ خلفاء راشدین اور عبداللہ ابن مسعود جیسے ہدایت یافتہ ائمہ'' اس لئے تفسیر قرآن کریم میں اگر نبی کریم ﷺ سے کوئی مستند تفسیر ثابت نہ ہو تو پھر آثار صحابہؓ کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کی جائے گی۔ کیونکہ قرآن کریم جن احوال وظروف میں نازل ہو رہا تھا وہ صحابہؓ کی نظروں کے سامنے تھا اور وہ آیات کریمات کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھے۔

لاوہ ازیں تفسیر کے ضمن میں صحابہ کرامؓ نے درج ذیل مصادر سے استفادہ کیا تھا۔ ۱۔ قرآن کریم ۲۔ سنت نبوی ﷺ ۳۔ اسباب نزول کی معرفت ۴۔ تورات وانجیل (اسرائیلیات) ۵۔ اوضاع لغت اور ادب جاہلی ۶۔ اجتہاد واستنباط کی صلاحیت ولیاقت، لیکن جس طرح احادیث رسول اللہ ﷺ سے استدلال اسی صورت میں معتبر ہوسکتا ہے جبکہ وہ روایتاً اور درایتاً مقبول اور صحیح ہوں اسی طرح آثار صحابہؓ سے بھی استدلال اور تفسیر کا ماخذ اس صورت میں بنایا جاسکتا ہے جبکہ وہ سنداً صحیح ہوں۔

صحابہ کرامؓ قرآنی آیات کے شان نزول سے بخوبی واقف تھے اسی حوالے سے حضرت علیؓ سے مروی ہے
"واللہ مانزلت آیة الا وقد علمت فیما انزلت، ان ربی وھب لی قلباً عقولاً ،ولساناً سؤلاً "(۲۴)
اللہ تعالیٰ کی قسم جو بھی آیت نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ میرے رب نے مجھے بہت سمجھنے والا دل اور بہت پوچھنے والی زبان عطاء فرمائی ہے۔

۴۔ اقوال تابعین:

صحابہ کرامؓ کے بعد تفسیر قرآنی کا چوتھا ماخذ تابعین کے اقوال وآثار ہیں۔ شرط یہ کہ صحیح سند کے ساتھ منقول ہوں تابعین صحابہ کرامؓ کے تلامذہ تھے۔ صحبت رسول ﷺ کی مانند صحبت صحابہ کرام کا بھی اچھی تعلیم وتربیت میں بڑا دخل ہے۔ امام بن تیمیہ لکھتے ہیں۔" اذا لم تجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنة ولا وجدته عن الصحابة فقد رجع کثیر من الائمة فی ذلك الی اقوال التابعین "(۲۵)

۵۔ کلام عرب:

قرآن کریم کے صحیح فہم کے لیے ضروری ہے کہ نزول قرآن کے دور کی صحیح تصویر سامنے ہو۔کلام عرب (قدیم جاہلی عربی شاعری ونثر) اوراس کے اسلوب نگارش سے اچھی طرح واقفیت ہو۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے "انما النسیٓء زیادۃٌ فی الکفر" (۲۶) اور "وَ لَیسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا" (۲۷) کی تفہیم نزول قرآن کے وقت زمانہ جاہلیت کے عربوں کی عادات کی معرفت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔اور یہ تصویر اس زمانے کے ادبی وعلمی شہ پاروں بالخصوص جاہلی عربی شاعری کو پڑھنے سے صحیح طور پر سمجھ میں آسکتی ہے۔اس سلسلے میں زمانہ جاہلیت کے دواوین معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

ابن فارس (۳۹۵ھ)(۲۸) عربی زبان کی اہمیت کے بارے لکھتے ہیں" لغة العرب أفضل اللغات وأوسعها" (۲۹) یعنی عربی زبان افضل اللغات ہے اوراس میں بہت زیادہ وسعت ہے۔جطلاوی عربی زبان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اِن القرآن هو دستور الأمة و منهجها ،ولغة العرب هی قاموسه لفظاً و معناً "(۳۰)

یعنی امت کے لیے قرآن دستور اور منہج کی حیثیت رکھتا ہے اور عربی زبان اس کے الفاظ ومعانی کے لیے قاموس ہے۔

اس سے یہ واضح ہوگیا کہ حدیث نبوی ﷺ ،اقوال صحابہ وتابعین کے بعد لغتِ عرب سے مدد لی جاسکتی ہے۔لہٰذا جن قرآنی آیات کے مفہوم میں کوئی الجھن ،اشتباہ ،ابہام واجمال نہ ہو اوران کی تفہیم کے لیے کسی تاریخی پس منظر کو جاننے کی بھی ضرورت نہ ہوتو ایسے مقامات پر عربی لغت ہی تفسیر کا واحد ماخذ ہے لیکن اس کے برعکس جن مقامات پر ابہام یا اجمال ہو یا جو آیت کسی واقعاتی پس منظر سے وابستہ ہو یا اس سے فقہی احکام مستنبط کیے جارہے ہوں ایسے مقامات پر صرف لغت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اس لیے یہاں تفسیر کی اصل بنیاد قرآن کریم ،احادیث نبوی ﷺ اور آثار صحابہ وتابعین پر ہوگی۔ان مصادر تفسیر کے بعد لغت عرب سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

۶۔ تفسیر القرآن بالعقل والاجتہاد:

قرآن کریم کے اسرار وحکم کی معرفت تک علم وعقل ،خشیت وانابت اور تدبر وتفکر کے ذریعے نئے

حقائق ومعارف تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔یہی وہ چیز ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ابن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی تھی "أللّم فقهه فی الدین علمه التاویل "(۳۱)(یا اللہ ابن عباس کو دین میں تفہیم اور قرآن کریم کی تفسیر وتاویل کا فہم عنایت فرما)۔

۷۔ اسباب نزول:

نزول کے اعتبار سے قرآنی آیات دو قسم پر مشتمل ہیں۔

۱۔ وہ آیات کریمات جو بغیر کسی سبب کے نازل ہوئیں۔

۲۔ دوسری وہ آیات ہیں جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی بناء پر ہوا جسے مفسرین کے اصطلاح میں ان آیات کا پس منظر سبب نزول کہا جاتا ہے۔لہٰذا فہم قرآن کے لیے نزول قرآن کے پس منظر کو سمجھنا ناگزیر ہے۔کیونکہ اس کی مدد سے بسا اوقات نزول قرآن کے تاریخی پس منظر کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے معاشرتی سیاق و سباق کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

سیوطی تقی الدین ابن دقیق العید (۸۰۲ھ) اس حوالے سے لکھتے ہیں "بیان سبب النزول طریق قوی فی فهم معانی القرآن،،(۳۲) (سبب نزول کا بیان کرنا قرآن کریم کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے کا قوی ذریعہ) ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبِ فَاَيْنَمَاتُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ،(۳۳)(اور اللہ ہی کے لیے ہیں (سب سمتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی کیونکہ تم جس طرح رُخ کرو ادھر (وہی) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) زرکشی لکھتے ہیں'' فانا لو ترکنا مدلول اللفظ لاقتفی ان المصلی لایجب علیه استقبال القبلة سفراً و لا حضراً وهو خلاف الاجماع، فلا یفهم مراد الآیة حتی یعلم سببها ، وذلك أنها نزلت لما ﷺ علی راحلته، وهو مستقبل من مكة الی المدینة ،حیث توجهت به، فعلم ان هذا هو المراد " (۳۴) اگر کسی آیت کا شان نزول پیش نظر نہ ہو تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قبلے کی جانب رخ کرنا ضروری نہیں بلکہ صرف دل سے اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ کرنا ہی کافی ہے حالانکہ دوسری آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو نماز میں مسجد حرام یعنی کعبے کی جانب رخ کرو لیکن شان نزول کی اس روایت سے غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے راستے میں سواری پر نفل پڑھا کرتے تھے خواہ آپ کا رخ کعبے کی جانب ہوتا یا نہ ہوتا تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ تم جدھر رخ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔لہٰذا معلوم ہوا

کہ اس آیت کا حکم سفر کی حالت میں سواری پر نفل پڑھنے کے بارے میں نازل ہوا ہے اس لے یہ عام حکم نہیں ہے۔

۸۔ نظم قرآن:

ابن منظور نظم کا لغوی مفہوم اس طرح بیان کرتا ہے: "النظم التالیف ،نظمت اللولو أی جمعته فی السلك، و التنظیم مثله و کل شیءٍ قرنته بآخرأو ضممت بعضه الی بعض فقد نظمته" (۳۵) نظم کا منی پرونا ہیں کہا جاتا ہے کہ نظمت اللولویعنی میں نے موتی کو دھاگے میں جمع کیۓ اور اسی طرح تنظیم سے مراد ہر وہ چیز جس کو آپ کسی اور چیز کے ساتھ جوڑ دیں یا اس کے کچھ حصے کو کچھ حصے کے ساتھ ملائیں تو اسے نظم کہا جاتا ہے۔اور اصطلاح میں نظم سے " ان تکون السورة کاملاً واحداً ثم تکون ذات مناسبة بالسورة السابقة و الدّاحقة او بالتی قبلها أو بعد ها،کما قدمنا فی نظم الایات بعضها مع بعض ، فکما أن الآیات ربما تکون معترضة و علی هذ ا الأصل تری القرآن کله کلاماً واحداً ذا مناسبة و ترتیب فی أجزائه من الأول ، (۳۶) نظم سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورہ ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو ،اور وہ سورۃ اپنے ماقبل اور مابعد کی سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو،جس طرح ہم آیات کے باہم نظم میں پیش کر چکے ہیں۔جس طرح بعض آیات بطور جملۂ معترضہ کے آجاتی ہیں۔اسی طرح بعض سورتیں بھی اسی نوعیت کی حامل ہوتی ہیں۔اس نقطہ نظر سے دیکھا جاۓ تو پورا قرآن ایک نظر آۓ گا جس کے جملہ اجزاء میں شروع سے آخر تک ایک خاص طرح کی مناسبت اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید ایسی منظّم ومربوط کتاب ہے جس کی ہر سورۃ اور سورۃ کی ہر آیت اپنے مقام پر پوری طرح موزوں ہے اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے اس بات کی مظہر ہے کہ یہ ایک ایسی ذات کا کلام ہے جو حکیم وخبیر ہے۔ بعض علماء نے نظم کے لیے تناسق ،توافق تناسب اور ربط کی تعبیر بھی اختیار کی ہے۔

یہ یادرکھنا چاہئے کہ بامعنی کلام میں ہمیشہ ایک ربط اور مناسبت ہوتی ہے ربط اور مناسبت کے بغیر کلام ادھورا اور بے فائدہ ہوتا ہے بامعنی کلام میں ہمیشہ ربط ہوتا ہے۔جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو یہ اول سے آخر تک باہم مربوط ہے یہی وجہ ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔نبی کریم ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس آیت کو معنی اور مناسبت کے لحاظ سے اس کے مناسب مقام پر رکھتے تھے۔اس بناء پر مکی سورتوں میں بعض آیات کریمات مدنی اور مدنی سورتوں میں بعض آیات کریمات مکی ہیں۔ربط اور مناسبت

کی تین اقسام ہیں۔(۱) ربط جلی (۲) ربط خفی (۳) ربط اخفی۔

اور اگر ہم قرآن کریم میں غور کریں تو قرآنی ربط کی چھ صورتیں ہیں (۱) سورتوں کے درمیان ربط (۲) آیات کے درمیان ربط (۳) ایک آیت کے مقدم ومؤخر میں ربط (۴) قرآن کریم کی ابتداء وانتہاء میں ربط و مناسبت (۵) سور کا متصل سورۃ کے فواتح سے ربط (۶) ہر سورۃ کی ابتداء اور اس کی انتہا میں مناسبت اور ربط۔

آیات وسور کے درمیان ربط ونظم ایک امر بدیہی ہے، نظم وترتیب با معنی کلام کا خاصہ ہے قرآن کریم کی آیات کے فہم وادراک اور صحیح مفہوم کے تعین کے لیے آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنا ضروری ہے بصورت دیگر فہم قرآن میں غلطی کا امکان پیدا ہو جائے گا۔ اس پر یہ بات بھی دلیل ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں بلکہ توقیفی ہے کہ قرآن کریم کی جو سورتیں پہلے نازل ہوئیں وہ ترتیب میں مؤخر اور جو بعد میں نازل ہوئیں وہ مقدم ہو گئیں۔ یہ سب کچھ سورتوں کے مضامین کی مناسبت کی وجہ سے ہوا۔

اس کے علاوہ اور بھی علوم ہیں مثلاً محکم ومتشابہ، علم تجوید، علم قراءت، مکی مدنی کی معرفت، فقہ وعلم اصول فقہ علم الکلام، علم المنطق، علم الحساب، علم الاسرار، علم الحقائق، علم الجدل والخلاف، علم القصص، علم الموھبہ، یہ علوم بھی قرآن فہمی کے لیے ضروری ہیں۔

مفاہیم قرآنیہ کے تعین میں خارجی معانی کی اہمیت

صحابہ کرامؓ کا فہم قرآن کریم اور عربی زبان وادب سے استشہاد

اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرکین مکہ اگر چہ تعصب کی بنا پر قرآنی مطالب ومفاہیم عالیہ پر ایمان لانے سے گریز کرتے رہے لیکن انہیں قرآن کی معجز بیانی کے آگے گردنیں خم کرنا پڑیں۔ اگر چہ عہد رسالت میں تفسیر کا دائرہ محدود ومختصر تھا کیونکہ قرآن مجید صحابہ کرامؓ کے سامنے نازل ہو رہا تھا اور ان کے لیے زبان وبیان کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لیے انہیں ہر قرآنی آیت کی تفسیر کی بابت آپ ﷺ سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ تاہم بعض اوقات انہیں نادر مشکلاتِ قرآنی کے فہم وادراک میں دشواری پیش آجاتی تھی جس کی تفسیر تشریح کے لیے نبی کریم ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ بہت سی ایسی مرویات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ بسا اوقات آیات قرآنیہ کا صحیح منشا نہ سمجھنے کی بناء پر نبی کریم ﷺ سے استفسار کرتے تھے مثلاً قرآن کریم یہ آیت (وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ)[۳۷] (اور کھاؤ پیو اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی روشنی) صبح صادق کا فرق واضح ہو جائے۔ سیاہ خط (یعنی اندھیرے) نازل ہوئی تو

حضرت عدی بن حاتمؓ کو مذکورہ آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہ آیا لہٰذا "أخذ عدی عقالا ابیض و عقالا أسود" انھوں نے ایک سفید اور ایک کالا دھاگہ لے لیا، اس وقت تک اپنا کھانا پینا جاری رکھتے تھے جب تک کہ یہ دونوں دھاگے الگ الگ نمایاں نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے آیت کا صحیح مفہوم بیان کیا کہ (لا بل ھو سواد اللیل و بیاض النھار)(۳۸) (اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی ہے)

۹۔ صحابہ کرام اور استشہاد بالشعر الجاہلی:

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مرتبہ علم تفسیر میں بہت بلند تھا۔ حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کی اس مفسرانہ شان کے اس قدر معترف تھے کہ جب کبھی انہیں قرآن مجید کے کسی لفظ میں اشکال پیش آتا تو وہ ان ہی کی طرف رجوع کرتے۔ ابن عباسؓ کا امتیازی وصف لغت عرب میں مہارت تھی، آپ شعر جاہلیت، انساب اقوام اور تاریخ عرب سے بھی پوری طرح واقف تھے ایک دفعہ چند صحابہ کرامؓ کے مابین سورۃ عبس میں لفظ ''أبا'' کے متعلق اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا چلو ابن عباسؓ کے پاس چلیں وہ ہم سب سے زیادہ لغت عرب کے جاننے والے ہیں۔ اسی طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے "عن ابن عباسؓ قال کنت لأ دری ما (فاطر السموات)(۳۹) حتی أتانی أعرابیان یختصمان فی بئر فقال احد ھما أنا فطر تھا یقول انا ابتدأتھا" (عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ میرے علم میں قرآنی آیت (فاطر السموات) کا مفہوم نہیں تھا۔ ایک بار دو أعرابی کنویں کے بارے میں مجھ سے فیصلہ کرانے آئے ان میں سے ایک نے کہا ''أنا فطرتھا'' یعنی اس کی ابتداء میں نے کی یعنی (انا ابتدا تھا) اس سے اہل زبان أعرابی کی مدعا بیان کرنے پر فطر کی وضاحت ہوگئی۔ کہ اس کے معنی ابتدا کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ قرآن کے معانی کی تعیین اور کلمات غریبہ کی تفسیر وتشریح اور لغوی استدلال کے لیے عربی شاعری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے جیسا کہ ان کا فرمان ہے "اذا تعاجم شئی من القرآن فانظروا فی الشعر العربی"(۴۰)

(جب قرآن مجید میں تمہیں لغوی دشواری محسوس ہو تو شعر عرب میں اسے تلاش کرو) رافعیؒ تفسیر قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کے حوالہ سے صحابہؓ کی بابت لکھتے ہیں "فلما تکلموا فی تفسیر القرآن و غریب الحدیث، و کانوا یلتمسون لذلک مصادقہ من اشعار العرب، وضح ھذا المعنی اللغوی"(۴۱)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کی طرف رجوع اور اسکے اصول و فروع کی بنیاد نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں رکھی گئی تھی۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ حضور ﷺ سے قرآنی الفاظ وکلمات کے معانی، عقائد کے مسائل، احکام شرعیہ اور مسائل آداب واخلاق سیکھتے تھے جن پر قرآن کریم مشتمل ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ قرآنی الفاظ وکلمات کی معرفت میں کلام عرب کو سند سمجھتے تھے کیونکہ بسا اوقات بعض قرآنی الفاظ کے قلیل الاستعمال اور غیر مانوس ہونے کی وجہ سے ان پر معانی واضح نہیں ہوتے تھے ۔پھر وہ ایسے الفاظ وکلمات کا استعمال کلام عرب میں تلاش کرتے تھے۔ابن عباس کے بارے میں ہے " هو الرائد فی مجال تفسیر القرآن بالاستناد الی کلام العرب المنظوم وهو الذی نمی الطریقة اللغویة فی تفسیر الکتاب العزیز "(۴۲)

(یعنی ابن عباسؓ کلام عرب منظوم کو تفسیر قرآن میں سند کی حیثیت رکھ دیتے تھے جس سے لغوی تفسیر کی ارتقاء میں بہت مدد ملی)

عبیداللہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ " رأیت عبد الله بن عباس یسأل عن غریب القرآن فینشد الشعر " (۴۳) یعنی " انه کان یستشهد به علی التفسیر "(۴۴) (آپ نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو قرآن کریم کی عربیت کے بارے سوال کرتے ہوئے دیکھا پھر وہ استشہاد کے طور پر شعر پڑھتے تھے۔ یعنی تفسیر کے لیے عربی اشعار سے استشہاد کرتے تھے) پس مذکورہ بالا آثار سے واضح ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے عہد صحابہؓ میں قرآن کریم کے مفردات اور غریب الفاظ کی تفسیر وتوضیح کے لیے قدیم عربی شاعری سے استشہاد اور اسالیب کلام عرب سے استدلال کی بنیاد رکھی ۔اس سلسلے میں نافع ابن ارزق کے سوالات مشہور ہیں جو انھوں نے ابن عباسؓ سے کیے۔(۴۵)

ان سوالات کی مختلف روایات ہیں ۔ان روایات میں سب سے اہم اور مکمل نافع ابن الارزق (۶۵ھ)(۴۶) کے سوالات کی روایت ہے جس کا کچھ حصہ ابن الانباری نے کتاب الوقف والابتداء میں اور کچھ حصہ طبرانی (۳۴۰ھ) نے اپنی کتاب المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ان مسائل کی طبرانی نے اپنی سند سے جو یبر(۴۷) عن الضحاک (۱۰۵ھ) بن مزاحم ہلالی کے طریق سے المعجم الکبیر میں تخریج کی ہے لیکن جو یبر بن سعید ضعیف اور متروک الحدیث ہے(۴۸) اسی طرح ان مسائل کو ابوبکر انباری (۳۲۸ھ) نے اپنی سند سے محمد بن زیاد بن مروان یشکری(۴۹) میمون بن مھران (۱۱۸ھ)(۵۰) سے ایضاح الوقف و الابتداء میں تخریج کی

ہے۔

لیکن یہ سند بھی بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ محمد بن زیاد یشکری کذاب تھا اور حدیثیں گھڑتا تھا۔ ان مسائل کو جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) نے بھی اپنی سند سے الاتقان فی علوم القرآن میں بیان کیا ہے لیکن اس کی سند بھی ضعیف کیونکہ اس سند میں سری بن عاصم بن سہیل کذاب تھا اور حدیثیں چوری کرتا تھا[۵۱] اس لیے اس کی خبر سے دلیل لینا بھی درست نہیں ہے۔[۵۲] اس سند میں سعد بن سعید المقبری ہے یہ قدری ہے اس کی خبر سے دلیل لینا بھی درست نہیں ہے۔[۵۳] اور اس سند میں حمید بن علی عرف کوفی[۵۳] ہے وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے اور ثقہ نہیں ہے۔[۵۴]

ذیل میں نافع ابن ازرق کے ابن عباسؓ سے سوالات کی نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں تا کہ فہم قرآن میں عربی ادب وشاعری سے استشہاد کی اہمیت واضح ہو سکے۔

۱۔ نافع بن ازرق نے عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ مُقِیتًا)[۵۵] (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں) میں لفظ "مقیتا" کے کیا معنی ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے صاحب قدرت، قدرت رکھنے ولا "قادراً مقتدراً''، پھر آپ نے کلام عرب سے استشہاد کرتے ہوئے نابغہ ذبیانی کا درج ذیل شعر پڑھا:

"وَ ذِیْ ضَغَنٍ کَفَفْتُ النَّفْسَ عَنْهُ　　وکنتُ علیٰ مَساء تهِ مُقِیْتاً[۵۶]

ترجمہ: میں نے کینہ پرور دشمن کی طرف سے اپنی طبیعت روک لی۔ حالانکہ میں اس سے بدسلوکی کرنے پر قدرت رکھتا تھا۔

۲۔ نافع بن ازرق نے ابن عباسؓ سے اس آیت "ھم فیھا خالدون"[۵۷] کی بابت دریافت کیا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے "ھم فیھا باقون لا یخرجون منھا ابداً، کذلك اھل النار و اھل الجنة" کہ وہ اس میں رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہ نکلیں گے۔ پھر اس نے کہا کیا اہل عرب بھی اس معنی سے واقف ہیں؟ انھوں نے فرمایا ہاں عدی بن زید کا قول ہے۔

فَهَلْ مِنْ خَالِدٍ اِمَّا هَلَکْنَا　　وَهَلْ بِالْمُوْتِ یَا لِلنَّاسِ عارُ[۵۷]

ترجمہ: اگر ہم ہلاک ہوجائیں تو اے قوم! کیا کوئی ہمیشہ رہنے والا ہے؟ اور اے لوگو کیا مرنے میں بھی کچھ شرم ہے)

اس شعر میں خالد کا لفظ ہمیشہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہی مفہوم مذکورہ قرآنی آیت میں لفظ خالدون کا ہے۔

۳۔ نافع بن ازرق نے کہا اللہ تعالیٰ کے قول (أنــداداً)(۵۹) کا کیا معنی ہے،، انھوں نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے:

''الاشباہ والأمثال'' مثل اور مانند لوگ۔۔۔۔۔ نافع بن ازرق نے کہا اہل عرب اس کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: لبید بن ربیعہ کا شعر ہے:

أَحْمَدُ اللّٰهَ فَلَا نِدَّ لَهُ بِيَدَ يهِ الخَيْرُ شَاءَ فَعَلَ (۶۰)

ترجمہ: میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کا کوئی مثل ونظیر نہیں اس کے ہاتھ میں بہتری ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ان مذکورہ سوالات کی اسناد تینوں ماخذ یعنی المعجم الکبیر للطبرانی، ایضاح الوقف والابتداء لأبی بکر الأنباری اور الاتقان فی علوم القرآن، میں بہت ہی ضعیف ہیں، لیکن یہ بات قرآن کریم کے الفاظ ومفردات کے بیان کے ثبوت میں جاہلی عربی شاعری سے استعانت لینے میں جو ابن عباسؓ سے مروی ہے قدح وجرح نہیں ہے کیونکہ صحیح سند سے وارد ہے کہ حضرت ابن عباسؓ قرآن کریم کے مفردات کی تفسیر وتوضیح کے لیے شعر جاہلی سے استشہاد کرتے تھے ابوعبیدۃ (۲۲۴ھ) نے اس روایت کی تخریج کی ہے، ابوزید قرشی نے بین اللفظ و المعنی کے تحت عربی شاعری سے استشہاد کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ (۶۱)

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ھُشیم (۱۸۳ھ)(۶۲) حصین بن عبد الرحمٰن (۱۳۶ھ) سے روایت کرتے ہیں (۶۳) انھوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود الھذلی الاعمی (۹۸ھ)(۶۴) سے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ سے قرآن کریم کے غیر مانوس الفاظ کی بابت سوال کیا جاتا تھا تو آپ قرآن کریم کے غیر مانوس الفاظ کی تفسیر میں جاہلی عربی اشعار سے استشہاد کرتے تھے۔ (۶۵)

کلام اللہ عربی اسالیب وتراکیب کو متضمن ہے جو زمانہ جاہلیت کے کلام عرب میں پائے جاتے تھے کہ ابوعبیدۃ(۶۶) نے قرآن کریم کے بارے میں کہا " و فی القرآن مثل مافی الکلام العربی من وجوہ الاعراب، و من الغریب و المعانی "اس میں وہ وجوہ اعراب اور غیر مانوس الفاظ ہیں جو کلام عرب میں پائے جاتے ہیں، ابن قتیبہ کلام عرب کے تمام اسالیب کے ذکر کے بعد کہتے ہیں کہ قرآن کریم انہی اسالیب عرب پر اترا ہے " و بکل ھذہ المذاھب نزل القرآن" ابن فارس کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اہل عرب کے تمام

اسالیب پائے جاتے ہیں تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ وہ اس کے فہم سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں کیونکہ قرآن کریم ان کی زبان و اسالیب زبان میں نہیں ہے۔(۶۷)

اس سے واضح ہوا کہ جاہلی عربی شاعری میں قرآن کریم کے معانی کو تلاش کرنا اس سے قرآن کے غیر مانوس الفاظ و مفردات کے تفسیر میں شواہد ملتے ہیں۔ اور اس سے قرآن کے اسالیب و تراکیب کے فہم میں مدد لی جاتی ہے کیونکہ یہ اشعار اہل عرب کی تہذیب اور زبان کا مجموعہ ہے۔

کلام عرب سے استشہاد کے اصول:

اول: تفسیر قرآن کریم میں اہل عرب کے عمومی محاورات اور اشعار سے استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اشعار عرب سے استدلال کر کے کوئی ایسا قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں لکھا ہو لیکن عام بول چال میں نہ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ " اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ"(۶۸) جمہور علماء کے نزدیک اس کا معنی ہے کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو لیکن سر سید احمد خان نے عام محاورے کو ترک کر کے لغت کا سہارا لیتے ہوئے یہ معنی بیان کیا ہے ''مار اپنے عصا سے پتھر کو'' (یعنی چل اپنے عصا کے سہارے سے اس پہاڑی پر)۔

اس آیت میں اضرب ''مارو'' کی بجائے یضربون فی الارض ''چلو'' اور " الحجر" کے معنی ''پتھر'' کے بجائے ''چٹان بیان کیے گئے ہیں جس کی تائید کلام عرب سے نہیں ہو سکتی، قرینے اور دلیل کے بغیر سر سید احمد خان نے کہا ہے کہ یہاں حرف " فـــی" مقدر ہے۔ الغرض سر سید احمد خان اور دیگر مجددین نے اپنی تفاسیر میں عربی محاورات، سیاق و سباق اور احادیث رسول ﷺ کو پس پشت ڈالتے ہوئے قرآن کریم کے الفاظ خود ساختہ معانی لیے اور قرآنی قصوں کو تمثیلات پر محمول کیا ہے۔ ان کی یہ تفاسیر لغت، حدیث رسول ﷺ اور صحابہ تابعین کی متفقہ تفاسیر کے منافی ہیں۔(۶۹)

دوم: جاہلی اور مخضرم طبقہ کے شعراء کے کلام سے استشہاد بالاتفاق درست اور جائز ہے جمہور علماء کے نزدیک قدیم یعنی اسلامی شعراء کے کلام سے بھی استشہاد صحیح ہے جبکہ چوتھے طبقے یعنی مولدین کے کلام سے جمہور کی رائے کے مطابق استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ بغدادی ان طبقات کے شعراء کے کلام سے استشہاد کی بابت لکھتے ہیں " الـكـلام الذی یستشهد به نوعان" شعر وغیره ،فقائل الاول، قد قسمه العلماء علی طبقات اربـع الـطبـقه الاولی، الشعراء الجاهلیون ، وهم قبل الاسلام کأمری القیس و الأعشی ،والثانیة ،

المخضرمون ،و هم الذین أدرا کوا الجاهلیةو الِاسلام کلبیدو حسان ،الثالثة ،المتقدمون، ویقال لهم الاسلامیون، وهم الذین کانوا فی صدر الاسلام کجریر و الفرزدق ،الرابعة والمولدون ،ویقال لهم المحدثون، و هم من بعد هم الی زماننا کبشار بن برد وأبی نواس، فالطبتقان الاولیان، یستشهد بشعرهما اِجماعاً ''جس کلام سے زبان کے معاملے میں استشہاد کیا جاتا ہے،اس کی دو قسمیں ہیں،ایک جوشعر کی صورت میں دوسرا جوشعر کی صورت میں نہیں ہے۔ان میں پہلی قسم کو اہل علم نے چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا طبقہ اسلام سے پہلے شعرائے جاہلیت کا ہے،جیسے امرؤ القیس اور اعشیٰ، دوسرا مخضرمین کا ہے جنہوں نے اسلام اور جاہلیت ،دونوں کا زمانہ پایا، جیسے ،لبید اور حسان ،تیسرے متقدمین ہیں جنہیں اسلامین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کے دوراول میں آئے ،مثال کے طور پر جریر اور فرزدق ،چوتھے مولوین ہیں جنہیں محدثین بھی کہتے ہیں۔ان میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو پہلے تین طبقات کے بعد ہمارے اس زمانے تک ہیں،جیسے بشار بن برد اور ابونواس،ان میں سے دوطبقات کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کے اشعار سے استشہاد کیا جائے گا۔(۷۰) البتہ علوم بلاغہ معانی ،بیان اور بدیع میں مولدین کے اشعار سے استشہاد جائز ودرست نہیں ہے۔(۷۱)علوم لغویہ اوران کی اقسام میں فصیح وبلیغ مولدین کے کلام سے استشہاد کیا جاسکتا ہے۔(۷۲) بہر حال استشہاد کے ضمن میں جو حیثیت دور جاہلیت اور صدر الاسلام کی ہے وہ کسی دور کی نہیں کیونکہ علماء نے دور جاہلیت اور صدر الاسلام کی شاعری کو خصوصی طور پر جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

رافعی استشہاد کی شرائط کی بابت لکھتے ہیں " وهو النوع الذی یدخل فیه أکثر الموضوع ،لحاجة العلماء إلی الشواهد فی تفسیرالغریب و مسائل النحو ،وقد اشترط ذلك علماء المصرین (البصرة الکوفة) بعد ان قامت المناظرات بینهم فی فروع النحو و مسائل ،و کانوا یستشهدون علی ذلك بأشعار الطبقتین من الجاهلین و المخضرمین ،ثم اختلفوا فی الاسلامیین کجریر و الفرزدق، وأکثرهم علی جواز الاستشهاد باشعار هم و کان ابو عمرو بن العلاء ، وعبد الله بن اسحاق، والحسن البصری ، وعبد الله بن شهرمة ، یلتحقون الفرزدق و الکمیت و ذو الرمة و أضرابهم، یعدونهم من المولدین الذین لا یستشهد بکلامهم۔(۷۳)

''کوفہ اور بصرہ کے نحویوں کے درمیان جب مسائل نحویہ پر بحث ومناظرات زور پکڑ گئے تو انھوں نے اپنے اصول وقواعد نحویہ اور تفسیر غریب کے لیے'' شواہد'' کی شرط عائد کردی۔اس سلسلے میں وہ دوطبقوں'' جاہلی

مخضرم" سے تو بلا جھجک استشہاد کرنے لگے لیکن دور اسلام کے شعراء جریر وفرزدق کے بارے میں اختلاف رونما ہوا۔ ان میں سے اکثریت نے ان اشعار سے استشہاد کو جائز قرار دیا لیکن ابوعمرو بن العلاء عبداللہ بن اسحاق، حسن بصری اور عبداللہ شبرمہ نے فرزدق، کمیت، اور ذوالرمہ اور ان جیسے دوسرے شعراء میں لحن پائے جانے کے باعث استشہاد کو جائز قرار نہیں دیا۔ اور ان کو مولدین قرار دیا جن کے کلام سے استشہاد جائز نہیں"۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان شعراء میں سے کوئی ایک بھی شعری غلطی سے محفوظ نہیں ہے۔ ان اغلاط کی ناقدین نے نشان دہی کی اور شعری ضرورت کے پیش نظر اس شعری غلطی کا نام لے کر اس کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی چنانچہ ایک شاعر کے لیے اسے بغیر ہچکچاہٹ استعمال کرنا جائز ہو گیا۔ سیبویہ کہتے ہیں " انه يجوز في الشعر مالا يجوز في الكلام، من صرف لاينصرف، يشبهونه بما ينصرف من الاسماء و حذف مالا يحذف يشبهونه بما قد حذف، و استعمل محذوفاً "(۷۴)

(شاعری میں وہ جائز ہے جو کلام (نثر) میں ناجائز ہے۔ منصرف وغیرہ منصرف، اسے اسماء میں سے جو حذف نہیں ہوتا اسے حذف کر کے منصرف کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو محذوف ہو چکا ہے اور محذوف استعمال کیا گیا ہو اس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ لہٰذا علما لغت نے شاعری سے استشہاد میں مختلف راستے اختیار کیے۔ بعض نے کچھ وسعت اختیار کی کہ مولدین اور ہر اچھی شاعری کرنے والے سے استشہاد کیا جائے جبکہ کچھ نے پہلے تینوں طبقات تک محدود رہنے پر اصرار کیا ہے۔

سوم: جب کتاب اللہ اور احادیث وآثار کی روشنی میں مفہوم قرآنی کی تعیین نہ ہو رہی ہو تو پھر قرآنی آیات کی تفسیر وتوضیح کے لیے عربی شاعری کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب قرآنی آیات کی تفسیر مذکورہ مصادر شرعیہ سے ہو رہی ہو تو پھر کلام عرب سے دلیل لانا درست نہیں بلکہ ان تفاسیر کی جانب رجوع کرنا واجب ہو گا جو کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہؓ میں وارد ہوئی ہوں۔ (۷۵)

زرکشی لکھتے ہیں " مالم يرد فيه نقل عن المفسرين وهو قليل و طريق التوسل الى فهمه النظرُ الى مفردات الالفاظ من لغة العرب و مدلولاتها و استعمالها بحسب السياق"(۷۶) (جب تفسیر میں کوئی منقول چیز نہ ہو چاہے وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو پھر اسکے فہم تک پہنچنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ لغت عرب کے مفرد الفاظ، ان کے مدلولات اور سیاق وسباق کے اعتبار سے غور وخوض کیا جائے)۔

لیکن مصادر نقلیہ کے ہوتے ہوئے لغت، قواعد اور ان کے اسالیب کی طرف رجوع کرنا تفسیر بالرائے کی

جانب رجوع کرنے کے مترادف ہوگا۔ جبکہ رائے اور اجتہاد کی نصوص شرعیہ کی موجودگی میں گنجائش ہی نہیں ہے۔(۷۷)

چہارم: ایسی لغوی تفسیر جونصوص شرعیہ کے خلاف ہو یا ان باتوں سے متعارض ہو جن پر اسلاف صحابہؓ، تابعین آئمہ دین اور علماء صلحاء امت تھے تو وہ تفسیر درست نہیں ہے بلکہ مذموم و مردود ہے ۔ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

(من عدل عن مذاهب الصحابة و التابعين و تفسيرهم إلى مايخالف ذلك كان مُخطأ ذلك بل مبتدعاً و ان كان مجتهداً مغفوراً له خطاه(۷۸) (یعنی جس نے صحابہؓ، تابعینؒ کے اقوال اوران کی تفاسیر سے اعراض کی ان باتوں کی طرف جو ان کے خلاف ہیں تو خطا کار ہوگا بلکہ بدعتی ہوگا اگر چہ وہ مجتہد ہی کیوں نہ ہو جس کی خطا پر مغفرت ہے۔شاطبیؒ صحابہؓ کی تفسیر کی بابت لکھتے ہیں " فهم اعرف في فهم الكتاب و السنة من غيرهم فاذا جاء عنهم قول او عمل واقع موقع البيان صح اعتماده من هذه الجهة"(۷۹)۔

لہٰذا صحابہ کرامؓ اور تابعین قرآن کی تفسیر اور قرآن کے الفاظ ومعانی کی بابت سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے اس لیے جو شخص بھی قرآن کی تفسیر ان کی تفاسیر کے خلاف کرے گا وہ دلیل اور مدلول دنوں میں خطاء کار اور گنہگار ہوگا۔(۸۰)

پنجم: کلاب عرب سے استشہاد میں سماع: فہم قرآن کریم میں عربی شاعری سے استشہاد میں سماع " هو عند النحاة ماثبت ۔ في كلام من يوثق بفصاحته فشمل كلام الله و هو القرآن الكريم و كلام نبيهﷺ و كلام العرب قبل البعثة و في زمنه و بعده الى أن فسدت الألسنة بكثره المولدين نظماً بنثرٍ(۸۱)

پس جن حضرات نے صحیح تفاسیر اور معنی استنباط میں عربی لغت کو محض فہم سے سماع اور نقل کو مہمل قرار دیا تو وہ بڑی غلطی میں پڑ گئے ہیں جیسا کہ قرطبی نے کہا ہے کہ جو شخص ظاہر تفسیر پر حکم نہ لگائے اور معنی کے استنباط میں محض عربی فہم سے کام لے تو یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔

ششم: اسی طرح بعض حالات میں آیت کا مقصود لفظ کے مدلول سے سمجھنا ممکن نہیں ہوتا سوائے نقل کے طریقے سے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا

طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا۔ (۸۲)

ترجمہ: ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر تقوی اختیار کریں اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کرے اور نیک عمل کرتے ہوں''

اس کا مقصود الفاظ کے مدلول سے ماسوائے روایتاً نقل کے نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ صرف الفاظ کا مدلول دیکھنے والا شراب نوشی کا جواز پیش کرسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون کو بحرین کا عامل مقرر کیا۔ جارود سید عبدالقیس بحرین سے حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المومنین ''ان قدامة شرب فسكر (۸۳) (قدامہ نے شراب پی لیا اور وہ نشے میں ہوگیا) '' فقال عمرؓ من يشهد على ما تقول ،قال الجارود، ابوهريرة يشهد على ما أقول و ذكر الحديث فقال عمر يا قدامه انى جالدك'' حضرت عمر نے فرمایا جو کچھ تم کہتے ہو اس پر تمہارے پاس کوئی گواہ ہے جارود نے کہا اس پر ابو ہریرہ گواہ ہیں، حضرت عمرؓ نے قدامہ کو پیغام بھیجا کہ وہ بحرین سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تجھ پر حد لگانے والا ہوں تو قدامہ نے کہا اگر میں شراب پیتا جیسا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں تو ایسا ہی ہوتا پھر تمھارے لیے مجھے کوڑے لگانے کی اجازت ہوتی حضرت عمرؓ نے کہا کیوں؟ قدامہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے '' لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ،، فقال عمرؓ اخطات التاويل انك اذا اتقيت اجتنبت ماحرم الله عليك'' پس جو شخص اس آیت کی تفسیر میں نقل کو مدنظر نہیں رکھے گا اور محض الفاظ کے مدلول کی طرف نظر کریگا تو وہ کہے گا کہ شراب نوشی حرام نہیں، اور جو شخص اس آیت کی تفسیر سبب نزول کے ضمن میں وارد ہونے والی حدیث کو مدنظر رکھ کر کرے گا تو وہ پہچان لے گا کہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو شراب نوشی کرتا تھا، اور شراب کی حرمت سے پہلے ہی وہ مر گیا اور وہ الفاظ کے مدلول سے شراب نوشی کے جواز پر دلیل نہیں ہوگا۔ (۸۴)

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ جب شراب حرام ہوئی تو فلاں فلاں کو اس حال میں قتل کردیا گیا کہ شراب ان کے پیٹوں میں تھی پھر یہ آیت نازل ہوئی '' لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ۔ (۸۵)

پس الفاظ کے مدلول پر اعتماد اور آثار صحیحہ سے غفلت آیت کے مقصود سے مانع ہے، لہٰذا سنن اور آثار کو

آیات قرآنیہ کی لغوی تفسیر (استشہاد بالشعر) مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ (۸۶)

ہفتم: جب لفظ شرعی (اصطلاحی) اور لغوی کے درمیان دائر ہو اور دونوں پر محمول کیا جا سکتا ہو تو شرعی معنی لغوی معنی پر مقدم رکھا جائے گا مگر جب قرینہ اس بات پر دلالت کرے کہ لغوی معنی ہی مراد ہے شرعی مراد نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے " وصلّ علیھم۔ انّ صلوتك سكنٌ لّھم "(۸۷) ترجمہ: (اور ان کے لیے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے موجب اطمینان (قلب) ہے میں صلاۃ سے یہاں مقصود لغوی صلاۃ ہے شرعی نہیں ہے۔ (۸۸)

لہٰذا عربی شاعری کے ذریعے متعین کردہ مفہوم، نصوص شرعیہ، اصول شرعیہ اور قواعد اسلام کے منافی و متعارض نہ ہو یہی بات طاش کبری زادہ لکھتے ہیں "أن لا یرفع ظاھر المعانی المفھمة عن الالفاظ بالقوانین العربیة و ان لا یخالف القواعد الشرعیة۔ (۸۹)

ہشتم: اسی طرح قرآن کریم کے غیر مانوس اور غریب الفاظ و مفردات کی شرح میں اس مفہوم کی طرف منسوب کیا جائے جو صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ تفسیر سے منقول ہو، سیوطی لکھتے ہیں ''غیر مانوس الفاظ کی معرفت کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس معاملے میں صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ تفسیر کی طرف رجوع کیا جائے یہ بات عبداللہ ابن عباسؓ اور ان کے دوسرے ساتھیوں سے جو ان سے علم حاصل کرنے والے ہیں ثابت ہے کیونکہ ان سے اپنی تفاسیر منقول ہیں جو اسناد صحیحہ سے غیر مانوس الفاظ کی تفاصیل اور تفسیر کرتے ہیں(۹۰) امام نووی فرماتے ہیں "و تفسیر الالفاظ اللغویة فلا یجوز الکلام فیه الا بنقل صحیح من جھه المعتمدین من اھله"(۹۱)

(یعنی: لغوی الفاظ کی تفسیر میں کوئی کلام بھی جائز نہیں ہوتا مگر اہل علم اور معتمد علیہ باصلاحیت حضرات سے صحیح منقول کلام قابل قبول ہے)۔

قرآن کریم کی فہم تعین میں خارجی معانی کی حیثیت:

قرآنی آیات کے مفاہیم کے تعین میں ظاہری معانی کی بجائے خارجی معانی مراد نہ لیے جائیں یا ایسے معانی مراد نہ لیے جائیں جس پر کلام عرب کا قلیل حصہ دلالت کرتا ہو۔ یعنی الکراھة تحمل علی صرف الآیة عن ظاھر ھا، الی معان خارجة محتملة، یدل، علیھا القلیل من کلام العرب(۹۲) مثلاً "النظر" کی تفسیر توقع، رحمت کی امید اور انتظار کا معنی کرنا۔ (۹۳) اللہ تعالیٰ کے قول " وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا

نَاظِرَةٌ"(۹۴) (بہت سے چہرے تو اس روز بارونق اور تروتازہ ہونگے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے) میں لغت سے دلیل لیتے ہوئے ایسی تفسیر جو ظاہر لفظ اور ادلہ شرعیہ کے خلاف ہے اسے رد کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔(۹۵)

ترجمہ: (جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے جنت ہے اور مزید برآں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی)

جناب نبی کریم ﷺ نے "زیادۃ" کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا کی ہے، المحرر الوجیز میں ہے "الزیادۃ" النظر الی وجه الله تعالیٰ، ابن القیم اس کی تفسیر کی توضیح میں لکھتے ہیں "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ"۔(۹۶)

حضرت صہیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اذدخل أهل الجنه الجنة نادى منادٍ أن لكم عند الله موعدا قالوا: ألم يبيض و جوهنا و تنجنا من النار و تدخلنا الجنه، قالوا بلىٰ قال فينكشف الحجاب قال: فو الله ماأعطا هم شيأ أحب إليهم من النظر إليه"

(جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم ایسی چیز چاہتے ہو جو میں تم کو بڑھا دوں؟ جنتی کہیں گے کہ کیا ہمارے چہرے سفید نہیں ہوئے، کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور جہنم سے نجات نہیں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ پردہ اٹھائیں گے اور فرمائیں گے جو بھی چیزیں ان کو دی گئی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ترین چیز کوئی نہیں"(۹۷)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"انكم سترون ربكم عياناً"۔(۹۸) (تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"

آنکھ سے اللہ تعالیٰ کے دیدار پر واضح دلالت کر رہا ہے کیونکہ "النظر" متعدی "بالی" ہے جو آنکھ سے دیکھنے پر دلالت کرتی ہے۔

"واذا قلت نظرت إليه لم يكن الا بالعين"

ابی العز لکھتے ہیں: " تنظرء الی وجه ربها عزوجل"

ابن قیم لکھتے ہیں کہ اس آیت کا مقصود " هو النظر إلى وجه الكريم و أنه يكلم عباده يوم القيامة ليس بينهم و بينه واسطة و ترجمان"(۹۹)

امام بیہقی فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (الی ربها ناظرة) سے انتظار کی نظر مراد لینا جائز نہیں کیونکہ نظر انتظار کے معنی میں متعدی بالی نہیں ہوتی اس لیے کہ جنت کے کسی بھی معاملے میں انتظار تو ہے ہی نہیں اور یہ درست نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے قول " الی ربها ناظرة " سے خود ہی " نظر التفكر اور نظر الاعتبار" نظر تفکر اور نظر اعتبار مراد لے لیں کیونکہ آخرت نہ تو دارالاستدلال ہے اور نہ ہی دار الاعتبار ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے تعطف اور رحمت کی نظر مراد لیں کیونکہ مخلوق کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے خالق پر مہربانی کرے اور جب یہ تینوں اقسام فاسد ہوگئیں تو نظر کی اقسام میں سے چوتھی ہی صحیح قسم رہ گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان" الی ربها ناظرة " جس سے مراد ہے کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گی۔(۱۰۰) لیکن یہ آنکھ سے دیکھنا بغیر ادراک کے ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَار "(۱۰۱) (اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی) اور دیکھنے سے ادراک لازم نہیں ہوتا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں " و بأن نفى الادراك لايستلزم نفى الرؤيةلامكان روية الشئى من غير احاطة تحقيقة (۱۰۲) (ادراک کی نفی رؤیت کی نفی پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کو بغیر ادراک اور اس کا احاطہ کیے بغیر دیکھتی ہیں۔

رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد حضرت موسیٰ کو فرماتے ہیں " لن ترانی "(۱۰۳) (تم مجھ کو دنیا میں ہرگز نہیں دیکھ سکتے) اس سے اللہ تعالیٰ کی عدم رؤیت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ ابن العربی لکھتے " فثبت ان " لن" لا تقتضى النفى المؤبد" نفی مؤبد یعنی ہمیشہ ہمیشہ نفی پر دلالت نہیں کرتا اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان " وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا" (۱۰۴) (اور وہ ہرگز کبھی اس موت کی تمنا نہ کرینگے) اس سے معلوم ہوا کہ جب لوگ جہنم میں داخل ہونگے تو جہنم کے عذاب کا مزا چکھنے کے بعد موت کی تمنا کریں گے اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کا حکایۃً قول ذکر کیا ہے:

"وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ"(۱۰۵)

(اور پکاریں گے کہ اے مالک تمھارا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارے کام تمام کر دے)۔

حضرت موسیٰ نے اس دنیا میں رؤیت کا سوال کیا تھا "أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ "(۱۰۶) (اپنا دیدار مجھ کو

دکھلا دیجئے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو حکایۃً بیان کیا یعنی آخرت میں دیکھنے کا آپ نے سوال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا" لن ترانی "یعنی اب اس دنیا میں تو مجھے دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔(۱۰۷) اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں دیکھنا محال ہے کیونکہ بشر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا آخرت میں حالت بشریہ دنیا کی حالت بشریہ سے مختلف ہونے کی بناء پر آخرت میں اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھنا ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ابن آدم کو اپنے آپ کو دیکھنے کی قوت بھی عنایت فرمائیں گے۔(۱۰۸) لہٰذا مسلمان اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھنے پر قادر ہوجائے گا کیونکہ کتاب وسنت کی نصوص بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے۔

جب لفظ دو معنوں میں برابر استعمال ہو اور اس سے دو معنی کا اکٹھا مراد لینا ممکن نہ ہو جیسی لفظ "قرء" جو حیض اور طہر دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو پھر ایک معنی کو دوسرے معنی پر ترجیح دینے کے لئے ادلہ اور براہین کی مدد لی جائے گی۔

اور اگر لفظ کے دونوں معنوں کو مراد لینا ممکن ہو تو دونوں ہی مراد لیے جائیں گے مگر یہ کہ کوئی دلیل ان میں سے کسی ایک معنی کو مراد لینے پر دلالت کرے۔(۱۰۹) لہٰذا جب کوئی لفظ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے تو اسے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا اور ان دو معنوں میں سے ایک معنی دوسرے معنی سے زیادہ واضح ہو مگر یہ کہ جب دلیل اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مخفی معنی مراد ہے تو اس کو مخفی معنی پر ہی محمول کیا جائے گا۔

فہم قرآن کریم کے تعین میں ظاہری معانی کی حیثیت:

کلام عرب سے استشہاد میں معنی کو ظاہر پر محمول کر لینا چاہئے مگر یہ کہ دلیل اس بات پر قائم ہو جائے کہ ظاہر مراد نہیں ہے تو پھر ظاہر مراد نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے مخفی معنی کو مراد لیا جائے گا، ابن عبدالبر (۴۶۳ھ)(۱۱۰) کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی توجیہ زیادہ ظاہر اور مشہور معنی سے کی جائے گی جن کو مراد لینا ممنوع نہ ہو اور تسلیم کرنا بھی واجب ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول" وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ "(۱۱۱) اللہ تعالیٰ (ہر حالت میں) آپ کے ساتھ ہے۔ بیہقی لکھتے ہیں " فانه يستحيل المعية على القرب بالذات "(۱۱۲) (تو یہاں معیت کو قرب پر محمول کرنا اور ذاتی طور پر ساتھ ہونے کے معنی پر محمول کرنا محال ہے)۔ کیونکہ بہت سے نصوص اور دلائل معیت ذاتی اختلاط پر محمول کرنے اور مراد لینے سے مانع ہیں " فتعين صرفه عن ذلك وحمله إما على الحفظ و الرعاية ،أو على القدرة و العلم و الرؤية "(۱۱۳) (پس یہ بات متعین ہوگی کہ معیت سے مراد علم، رؤیہ اور احاطہ ہے یعنی جس معیت سے علم، احاطہ اور رؤیت مراد ہے وہ معیت عامہ ہے یا

اس معیت سے مراد حفظ، رعایت، نصرت وتاکید وہ معیت خاصہ ہے۔

معیت کے حقیقی معانی میں سے ہر معنی اس لئے ہے کہ یہ کلمہ ہمیشہ مکان میں حلول اور ذاتی اختلاط پر دلالت کرتا ہے کلام عرب میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں ''القمر معنا '' حالانکہ اس کی جگہ آسمان ہے کیا امیر لشکر یہ نہیں کہتا ہے تم معرکہ جنگ کی طرف جاؤ اور میں تمہارے ساتھ ہوں حالانکہ وہ تو قیادت کر رہا ہوتا ہے جبکہ لشکر میدان جنگ میں ہوتا ہے پس معیت سے لازم نہیں آتا کہ ساتھی ساتھ رہے اور معیت سے مراد اختلاط اور امتزاج ہر جگہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا معنی مضاف الیہ اور سیاق کلام کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ قول " هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ "[۱۱۴] (اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو) میں معیت کو علم قدرت اور احاطے پر محمول کرنا یہ حقیقتاً معیت عامہ ہے)۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا قول " ان الله مع الذين اتقوا و الذين هم محسنون "[۱۱۵] (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار اور محسنین ہوتے ہیں)۔(وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ)[۱۱۶] (اور بے شک اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت مخلصین کے ساتھ ہے) (لَاتَخَافَآ إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى)[۱۱۷] (تم اندیشہ نہ کرو کیونکہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا اور دیکھتا ہوں) ان آیات کریمات میں معیت حفظ، رعایت، تائید اور اعانت پر محمول ہوگا اور یہ حقیقتاً معیت خاصہ ہے۔

اور یہ قول " هذا لبن معه ماء " (یہ دودھ پانی والا ہے) معیت کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی مخالطت اور ممازجت کا۔

پس واضح ہو گیا کہ معیت کا معنی منسوب الیہ کے اعتبار سے متعین ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول " وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ "[۱۱۸] جب ہم کسی شہر کے بربادی کا ارادہ کرتے ہیں، اس کے خوش عیش لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ وہاں شرارت برپا کرتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔

اس آیت کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ایک دلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور منکر کا حکم نہیں دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ)[۱۱۹] آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فواحش کا حکم نہیں دیتا) اور فرمایا " وينهى عن الفحشآء و المنكر و البغى "[۱۲۰] (اللہ تعالیٰ برائی والمنکر اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں)۔

لہٰذا یہاں ضروری ہے کہ ایک کلمے کو محذوف مانا جائے معنی کو صحیح تعین کرنے کی وجہ سے وہ لفظ طاعت ہے ابن کثیر لکھتے ہیں " معناها أمرنا هم بالطاعات ففعلوا الفو احش،فاستحقوا العقوبة" (۱۲۱) یعنی ہم نے ان کو اطاعت کا حکم دیا لیکن وہ اطاعت سے نکل گئے اور فاسق ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان بن گئے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حکم "ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ" (۱۲۲) (چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے) کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ سیاق کلام اس بات پر دلالت کر رہا ہے " سیاقه یدل علی انه الذلیل الحقیر؟" (۱۲۳) (جس کو مخاطب کیا جا رہا ہے وہ ذلیل اور قابل اہانت ہے)

پس اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور اس کی تنقیص اہانت اس کی کمینگی اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنا مقصود ہے۔ "ذق العذاب ای لست بعزیز ولا کریم" (۱۲۴) (یعنی تو عذاب چکھ کیونکہ تو نہ تو قابل عزت ہے اور نہ ہی کریم ہے)۔

سیاق وسباق کے ذریعے آیت قرآنی کے معنی اور فہم کا تعین:

قرآنی آیت کے معنی کے بیان میں سیاق کلام کی رعایت بہت ضروری ہے کیونکہ جو قرائن مراد متکلم پر دلالت کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قرینہ سیاق کلام ہے، زرکشی لکھتے ہیں " جب لفظ متعدد اور مختلف معنی کا احتمال رکھتا ہو تو معنی سیاق کلام اور قرائن سے متعین کیا جائے گا"۔ (۱۲۵)

جیسے اللہ تعالیٰ کے قول " وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ" (۱۲۶) (اس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے) میں لفظ امہ جماعت کے معنی میں ہے اور "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً" (۱۲۷) (ابراہیم علیہ السلام بڑے مقتدا تھے)۔

میں لفظ امہ ایک ایسی جامع شخصیت کے معنی میں ہے جو خیر کو بایں طور شامل اور جامع ہو جس میں اس کو مقتدا اور پیشوا مانا جانا اور لفظ امۃ اللہ کے اس قول:" اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا عَلٰى اُمَّةٍ " (۱۲۸) ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے۔ یہاں امۃ دین کے معنی میں ہے اور کبھی لفظ امۃ زمانے کے معنی میں ہوتا ہے جیسے (وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ) (۱۲۹) (اور مدت کے بعد اس کو خیال آیا) یا آیات کے معنی کو سبب نزول سے بھی متعین کیا جا سکتا ہے جیسا قنوت کے معنی کو جو کہ متعدد معنی میں مستعمل ہے۔ سکوت اور عدم تکلم سے اللہ کے قول "وقوموا للہ قانتین" (۱۳۰) (اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے) حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ " کنا نتکلم فی الصلوۃ یکلم أحدنا أخاه فی حاجته،حتی نزلت هذه الآية فأمرنا

بالسکوت" (۱۳۱) (ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے کسی ضرورت کے بارے میں کررہا ہوتا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی ،(حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) "(۱۳۲) محافظت کرو نمازوں کی عموماً درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے)پس ہمیں حکم دیا گیا کہ دوران نماز سکوت اختیار کیا جائے۔

کلام عرب سے اسالیب وتعبیرات قرآن کریم کی تفہیم کے اصول:

علم تفسیر،قرآن کریم کے معانی اور علوم القرآن کے ماہر اہل علم نے قرآنی اسالیب اور تعبیرات کو واضح کر دیا ہے۔جنہیں قرآن کریم نے اپنی تعبیرات میں اختیار کیا ہے۔انھوں نے قدیم جاہلی عربی ادب سے اس باب پر استشہاد لیا ہے کہ قرآن کریم اسی انداز میں نازل ہوا جس کے اہل عرب اپنے کلام اور محاورات میں عادی تھے۔

عبدالفتاح المصری لکھتے ہیں: ولم يكتف القدماء ،بالاستشهاد بالمعلقات لمعانى الفاظ القرآن الكريم، بل كانوا يستشهدون بها لبعض أساليبه أيضاً ،من ذلك مثلاً أسلوب الالتفات (۱۳۳) یعنی قدماءقرآن کریم کے الفاظ کے معانی کی تفہیم کے ساتھ ساتھ قرآنی اسالیب کی تفہیم کے لیے بھی معلقات سے استشہاد کرتے تھے،مثلاً اسلوب الالتفات وغیرہ۔

علاوہ ازیں قرآن کریم بہت سے الفاظ وکلمات کا موجد ہے اس نے اہل عرب کو ایسے مختصر، جامع اور فصیح الفاظ سے روشناس کرایا ہے جن سے وہ بالکل ناواقف تھے۔جاہلی عربی شاعری میں فصاحت و بلاغت اور حسن وخوبی کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے وہ تمام اسالیب بدرجہ اتم قرآن مجید میں موجود ہیں۔ذیل میں اسالیب کے حوالہ سے قرآن مجید اور عربی شاعری کی مختلف قسم کی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کلام عرب کے اسلوب پر نازل ہوا ہے۔

ا۔قرآن کریم کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ مضاف کو حذف کر کے ایجاز واختصار کی غرض سے مضاف الیہ کو اسکی جگہ پر رکھ دیا جائے۔ابن قتیبہ لکھتے ہیں " ان تحذف المضاف وتقيم المضاف اليه مقامه و تجعل الفعل له" ابن فارس لکھتے ہیں " و من سنن العرب الحذف الاختصار" یعنی حذف واختصار کلام عرب کے اسالیب میں سے ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا۔ (۱۳۴) أراد أهلها (۱۳۵) اى سل أهل القرية یعنی بستی والوں سے پوچھ۔یعنی "أهل" کا لفظ محذوف ہے اس طرح کے محذوفات کی مثالیں عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ابوعبیدہ مجاز القرآن میں نابغہ ذبیانی کے درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

كأنك من جمال بنى أُقَيشٍ
يُقَعْقَعُ خلف رجليه بِشَنٍّ (۱۳۶)

أقيش : حى من الجن، اضمر جملاً يُقَعْقَعُ خلف رجليه بشن ابن قتیبہ ھُذلی کے شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

يُمَشّي بَيْنَنَا حانُوتُ خَمْرٍ
من الخُرسِ الصَّراصِرَةِ القِطاطِ (۱۳۷)

اراد صاحب حانوت فاقام الحانوت مقامه ،

طرفہ بن عبد کے درج ذیل شعر سے بھی استدلال ہوسکتی ہے۔

الا اننى سقيتُ اسود حالكاً
ألا بجلى من الشَّرابِ ألابَجَل (۱۳۸)

یعنی بذلك سماً اسود ، فاكتفى بذكر اسود عن السم المعرفة السامع معنى مااراد بقوله (سقيت اسود) ويروى الااننى سيقيت اسود سالخاً۔

مذکورہ قرآنی آیت میں لفظ اور اس کے معنی کی صحت "من حيث الاسناد" موقوف ہے کیونکہ و سئلِ القرية میں " اھل" محذوف ہے اس لئے " قرية" کی طرف سوال کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہاں پر سوال کی نسبت محذوف "اھل" کی طرف ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے مختلف شعراء کے اشعار سے استدلال کیا ہے مفہوم سب کے ہاں ایک ہی ہے ابن قتیبہ نے مضاف کے حذف ہونے اور اس کی جگہ مضاف الیہ لانے سے متعلق متعدد قرآنی آیات سے شواہد پیش کئے ہیں نیز کلام عرب سے بھی استدلال کرتے ہوئے اشعار پیش کیے ہیں۔

ایجاز واختصار کے پیش نظر جواب محذوف کرنا:

قرآن کریم کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ مخاطب کے علم کے لیے ایجاز واختصار کے پیش نظر جواب محذوف کر دیا جاتا ہے۔حذف دراصل ایجاز اور جامعیت کی ایک شکل ہے۔حذف مجاز کی ایک معروف قسم ہے۔علماء بلاغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کلام میں حقیقت کی نسبت مجاز کے استعمال میں زیادہ

خوبی ہے اس لیے اگر یہ تصور کرلیا جائے کہ قرآن میں مجاز نہیں ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قرآن حذف، توکید اور تصریفِ قصص سے خالی ہے۔ ابو منصور عبدالملک ثعالبی لکھتے ہیں: "فی اِلغاءِ خبر لَوْ، اکتفاءً بمایدل علیہ الکلام، وثِقةً بِفَهم المخَاطَب" قرآن کریم میں جواب کے محذوف ہونے کے متعلق متعدد مثالیں موجود ہیں۔مثلاً وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى "(۱۳۹) "اگر قرآن کریم کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعے سے زمین ٹکڑے ہو جاتی یا اس کے ذریعے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرا دی جاتیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جواب " لکان ھذا القرآن" محذوف ہے ابو منصور عبدالمالک ثعالبی لکھتے ہیں " والخبر عنه مضمر ، كأنه قال لكان هذا القرآن " ایک اور مقام پر ارشاد ہے "وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ "(۱۴۰) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے تو تم بھی (اس وعید سے) نہ بچتے) ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جواب " لعذبکم " محذوف ہے اس طرح کے محذوفات کی متعدد مثالیں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔قرآن کریم کے علاوہ عربی شاعری میں بھی حذف الجواب کی مثالیں موجود ہیں۔

امرؤالقیس کہتا ہے۔

فَلَوْ أَنَّها نفسٌ تَموتُ سَرِيْعة ولكنّها نَفسٌ تَقَطَّعُ أَنْفُسَا(۱۴۱)

فترك الجواب اكتفاء بمعرفة سامعه مراده، یعنی " لهان علی " مراد ہے۔ابن رشیق قیروانی لکھتے ہیں:

" كأنه قال: لهان الامر،ولكنها نفس تموتُ موتات۔(۱۴۲)

اسالیب قرآن کریم میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ بغیر مذکور کے ایجاز واختصار کی بنا پر ضمیر لاتا ہے کیونکہ کلام میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں یا سننے والے اسے جانتے ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ "(۱۴۳)

(یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا)

"توارت" میں ضمیر سورج یعنی الشمس کی جانب لوٹ رہی ہے لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں آیا کیونکہ آیت

میں سورج پر ایک دلیل ہے " بالعشی "(۱۴۴) ہے۔

اس کا معنی ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد اس کے سامنے پیش یا کوئی دلیل ذکر کی گئی ہو یہاں تک کہ سورج پردے میں غائب ہو گیا ضمیر کے بنا اس کا ذکر لایا جائے۔گویا تقدیر عبارت یوں ہو گی ''حتیٰ توارت الشّمس بالحجاب'' یعنی ایجاز اور اختصاراً ''الشّمس'' کو حذف کر دیا گیا دوسرے مقام پر ارشاد ہے " فأثرن به نقعاً "(۱۴۵) (پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں) یعنی (بالوادی) چنانچہ اسے چھپا دیا گیا جبکہ اس کا تذکرہ پہلے نہیں آیا کیونکہ کلام میں ایسا اشارہ موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ضمیر میں مراد ''وادی'' ہے۔

" اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیُ بِهٖ "(۱۴۶) (قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حل (سب پر) ظاہر کر دیتیں) یعنی بموسیٰ: انـه ابنها، کہ یہ موسیٰ ان کے بیٹے ہیں، قرآن کریم کے مذکورہ اسلوب کی مانند عربی شاعری میں بھی بغیر مذکور ضمیر لانے کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔مثلاً حمید بن تور کہتا ہے۔

وَصَهْبَاءَ مِنْهَا كَالسَّفِيْنَةِ نَضَّجَتْ

به الْحَمْلَ حَتّٰى زَادَ شَهْرًا عَدِيْدُهَا

مراد " وصَهْبَاءَ من الابل " ہے چنانچہ اسے مخفی بنا دیا گیا اور اس کا ذکر نہیں آیا۔

۶۔ اسلوب تصریف:

قرآن کریم کا ایک اسلوب تصریف آیات ہے یعنی ایک ہی مضمون کو مختلف نئے نئے انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔مضمون ایک ہی ہوتا ہے جبکہ مقصد اور ھدف مختلف ہوتا ہے قرآنی آیات میں تصریف و تکرار کا مقصد تاکید اور تفہیم ہوتا ہے۔عام لوگوں کے کلام میں تکرار معیوب تصور کیا جاتا ہے جبکہ قرآن کریم میں تکرار ایسا برمحل اور موزوں ہوتا ہے کہ اس سے کلام کے حسن و خوبی میں اضافہ ہوتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ "(۱۴۷)

(ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا'' پھر ہرگز نہیں بہت جلد تم کو معلوم ہو جائیگا)

" اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْن "(۱۴۸) (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں)

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے " فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا "(۱۴۹) (بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونے والی) ہے۔

" وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۔ ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ"(۱۵۰) (اورآپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے (پھر) آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے)۔

ابن قتیبہ مذکورہ قرآنی آیات کے بعد لکھتے ہیں " كلا هذا يُرادُ به التاكيد للمعنى الذى كرر به اللفظ "یعنی اس سب کچھ سے مراد اس معنی کی تاکید مراد ہے جس کے لیے دوبارہ لفظ لایا گیا ہے۔

ذیل میں عربی شاعری سے مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔ابن قتیبہ تکرار کلام کے حوالہ درج ذیل اشعار ذکر کرتے ہیں لیکن انھوں نے اس اشعار کا کسی کی جانب نسبت بیان نہیں کی۔

كَمْ نعمةٍ كانت لكم كَمْ كَمْ و كَمْ

یہاں لفظ ''کم'' کو عدد کثیر اور تاکید اور تفہیم کے لیے استعمال ہوا ہے۔

خنساء کہتی ہے۔

همت بنفسى كلا الصموم

فأولى لنفسى أولى لها(۱۵۱)

(جب پورے طور پر میں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا تو اپنی ذات پر کف افسوس ملتا رہا) اس شعر اور قرآنی آیت میں ''اولی'' کا لفظ اظہار حسرت کے لیے آیا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ تکرار کلام کے حوالہ سے عربی شاعری میں بھی مثالیں موجود ہیں اور یہی اسلوب قرآن کریم کا بھی ہے۔تفسیر القرآن کریم میں اسالیب قرآن کے حوالہ سے عربی شاعری سے استشہاد کی بابت طوالت سے بچنے کے لیے چند مثالوں پر اکتفاء کیا گیا۔ مذکورہ بیان کردہ اسالیب کے علاوہ بھی بہت سے اسالیب ہیں جن کی تفصیل ابن قتیبہ کی تاویل مشکل القرآن، زرکشی کی البرھان فی علوم القرآن سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن اور حمید الدین فراہی کی اسالیب القرآن ۔

درج بالا تمام مباحث سے پتہ چلا کہ قرآن کریم میں وہ تمام اسالیب موجود ہیں جو کلام عرب میں تھے بلکہ قرآن کریم بہت سے نئے اسالیب کا موجد بھی ہے قرآن کریم نے اہل عرب کو بہت سے ایسے مختصر جامع اور فصیح الفاظ سے آشنا کیا جن سے وہ بالکل ناواقف تھے۔

قرآن کریم اپنے مفہوم ومقصد کو اس عمدہ اور بہتر انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس سے بہتر اسلوب اور تعبیر ممکن ہی نہیں ہوسکتی قرآن کریم اپنے منفرد اسالیب،شوکت کلام،فصاحت وبلاغت،نظم وترتیب،لطافت وسادگی

اور ایجاز واختصار کی بناء پر اعجازی خصوصیات کا حامل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جرجانی (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں 'وہ علم جس سے انسانی صلاحیت وطاقت کے مطابق قرآنی آیات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کو پورا کیا جائے'' الجرجانی ،التعریفات ،دار المنار للطباعۃ مصر ص ۴۶ ،نمبر ۳۹۹۔

۲۔ التاویل اصلہ من الأولی و ھو الرجوع فکانہ صرف الآیۃ الی ما تحتملہ من المعانی الفاظ قرآنی سے جن معانی کا احتمال ہو سکے ان میں سے ایک کو مقرر کرنا ،،السیوطی ،الاتقان فی علوم القرآن ،منشورات الرضی ،بیدار مطبعۃ آمبر مصر الطبعۃ الثانیہ ص ۹۱۔

۳۔ الزرکشی ،البرھان فی علوم القرآن ۲۹۲/۲

۴۔ السیوطی ،التحبیر فی علم التفسیر ،ص ۱۵۱

۵۔ ابن تیمیہ مقدمہ فی اصول التفسیر ،المکتبۃ العلمیۃ لاہور پاکستان ۱۳۸۸ھ ص ۲۹۔

۶۔ أداء المقصو د بأ قل من العبارۃ المتعارفۃ ،یعنی ایسا طرز کلام جس میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں لیکن الفاظ کی قلت کے باوجود مفہوم اور مقصود بالکل واضح ہو۔الجرجانی ،التعریفات ص ۳۱، نمبر ۲۵۴۔

۷۔ اطناب وہ اسلوب کلام ہے جس میں کلمات اصل معنی سے کسی خاص مقصد کے لیے زیادہ آئے ہوں یعنی أن یکون اللفظ زائداً علی اصل المراد، الجرجانی ،التعریفات ص ۲۵ ،نمبر ۱۵۶ ،السیوطی ، الاتقان ۱۸۲/۳۔

۸۔ مطلق وہ شے ہے جو اپنی ذات پر من حیث الذات دلالت کرتی ہو اور اس میں کسی وصف ،کمال ونقصان کا لحاظ ہو ،صدیقی ڈاکٹر ساجد الرحمٰن ،کشاف اصطلاحات قانون (اسلامی) ۱۴۴/۲۔

۹۔ وہ لفظ جس پر کوئی قید عائد کر دی گئی ہو ،کشاف اصطلاحات قانون ۱۰۰/۲۔

۱۰۔ عام وہ لفظ ہے جو ایک ایسے معنی کے لیے ایجاد ہو جس کے تحت بے شمار افراد آتے ہوں اور وہ اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے ان تمام افراد پر مشتمل ہو۔الاتقان ۴۹/۳۔

۱۱۔ خاص اس لفظ کو کہتے ہیں جسے فرد واحد پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو ،الاتقان ۵۷/۳۔

۱۲۔ الفاتحہ ۔۵، ۶

۱۳۔ النساء۔۹،۶
۱۴۔ النساء:۱۰۵
۱۵۔ ال عمران:۱۶۴
۱۶۔ النحل:۴۴
۱۷۔ ابن تیمیہ،مقدمۃ فی اصول التفسیر ص ۳۰۔
۱۸۔ قاسمی جمال الدین،محاسن التاویل،دارالفکر بیروت لبنان الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸م ص:۱۹۱۔
۱۹۔ احمد بن حنبل،مسند احمد ۱۱۵/۳۲۔حدیث نمبر ۱۹۳۸۱
۲۰۔ یونس:۲۶
۲۱۔ مسلم بن حجاج ،صحیح مسلم کتاب الایمان ،دارالکتب العلمیۃ بیرون لبنان ۱۳۷۶ھ۔ ۱۹۵۶م ۱۶۳/۱۔۲۹۸۔
۲۲۔ سورۃ النجم:۳۔۴
۲۳۔ ابن تیمیہ،مقدمہ فی اصول التفسیر ص:۳۰
۲۴۔ السیوطی،الاتقان فی علوم القرآن ۲۳۳/۴
۲۵۔ ابن تیمیہ،مقدمہ فی اصول التفسیر ص:۳۴
۲۶۔ التوبۃ ۔۳۷
۲۷۔ البقرۃ:۱۸۹
۲۸۔ أبو الحسن احمد بن فارس بن زکریا بن محمد لغوی قزوینی مختلف علوم خصوصاً لغت میں امام تھے ۔انباہ الرواۃ،دارالفکر بیروت۔
۲۹۔ ابن فارس،الصاحبی فی فقہ اللغۃ ،مؤسۃ بدران للطباعۃ والنشر ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳م ص ۴۰۔
۳۰۔ الجطلاوی محمد یوسف،الشعر جاھلی واثرہ فی تفسیر معانی القرآن ،جامعۃ قاریونس،بنغاری،الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۰م،ص ۱۶۴۔
۳۱۔ البخاری،الجامع الصحیح ،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب۔
۳۲۔ الکافیجی التسیر فی قواعد علم التفسیر ص ۱۴۶۔

۳۳۔ البقرة:۱۱۵

۳۴۔ الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن ۲۹/۱۔ الزرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن ۸۳۳۱/۱

۳۵۔ ابن منظور: لسان العرب، مادہ: نظم

۳۶۔ فراہی، حمید الدین، رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن المجموعة الاولی مدرسة الاصلاح سرائے میر الدائرة الحمیدیة اعظم گڑھ ۱۹۹۱ء، ص ۸۷

۳۷۔ البقرة: ۱۸۷

۳۸۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب التفسیر ص: ۸۵۳، نمبر ۴۵۱۰، ۴۵۰۹۔

۳۹۔ سورة الفاطر: ۱

۴۰۔ الطبری، جامع البیان عن تاویل ای القرآن ۵۶۵/۱۲

۴۱۔ الرافعی، تاریخ آداب العرب ۲۵۵/۱

۴۲۔ الرافعی، تاریخ آداب العرب ۱۷/۲، کارل بروکلمان تاریخ الادب العربی ۷/۴

۴۳۔ البیھقی، شعب الایمان ۳۱۵/۴۔

۴۴۔ ابن کثیر، فضائل القرآن، مؤسسة علوم القرآن، بیروت الطبقہ الاولی ۱۴۰۸ھ ۱۹۰۸م ص ۵۷

۴۵۔ العسقلانی، ابن حجر ۱۴۵/۶۔ ۵۰۶۔ الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن ۲۹۴/۱۔ ۲۹۳

۴۶۔ نافع بن ارزق بن قیس الحنفی البکری الحروی خوارج کے سردار تھے۔ العسقلانی لسان المیز ان۔ ۱۴۴/۶، ۱۴۵، الذھبی، میزان الاعتدال ۳۶۶/۵، الزرکشی البرھان فی علوم القرآن ۲۹۳/۱۔ ۲۹۴۔

۴۷۔ ابو القاسم جو یبر بن سعید ازدی متروک الحدیث تھے۔ المزی، تھذیب الکمال، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان، الطبقہ الاولی ۲۹۱/۵

۴۸۔ العقیلی، کتاب الضعفاء الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۵/۱۔ ۲۰۶

۴۹۔ ابن حیان، کتاب الثقات، دار المعارف العثمانیة حیدر آباد دکن طبع اولی۔ ۱۴۵۳ھ ۱۹۸۳م ۴۷/۹، ابن حجر، تھذیب التھذیب، ۱۷۴/۹

۵۰۔ المزی، تھذیب الکمال ۳۲۹، ۲۱۰

۵۱۔ العسقلانی ابن حجر لسان المیز ان ۱۱۲/۳ الذھبی، میزان الاعتدال ۳۰۷/۲

۵۲۔ ابن حیان، کتاب المجروحین، دارالمعارفۃ بیروت لبنان ۳۵۵/۱
۵۳۔ العقیلی، کتاب الضعفاء الکبیر ۲۶۸/۱ ابن حبان، کتاب المجروحین ۲۶۲/۱
۵۴۔ حمید بن علی الأعرج کوفی ہیں انہیں ابن عطاء، ابن عبداللہ، ابن عمار یا عبید ملاتی بھی کہا جاتا ہے۔ المزی، تہذیب الکمال ۴۰۹/۷۔۴۱۲
۵۵۔ النساء: ۸۵
۵۶۔ السیوطی، الاتقان ۵/۲ ۷
۵۷۔ البقرۃ: ۲۵
۵۸۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۵/۲ ۷ غریب القرآن فی شعر العرب ص ۵۹
۵۹۔ البقرۃ: ۲۲
۶۰۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۶/۲ ۷ غریب القرآن فی شعر العرب ص ۶۳
۶۱۔ ابوزید قرشی، جمھرۃ اشعار العرب، شرکۃ دار ارقم بن ابی الارقم، بیروت، لبنان ص ۲۲
۶۲۔ ابومعاویہ ہیثم بن بشیر بن قاسم ہانی سلمی حافظ الحدیث اور ثقہ تھے دس سال تک عشاء کے وضو سے صبح نماز پڑھتے رہے۔ المزی۔ تہذیب الکمال ۴۵۸/۱۰
۶۳۔ ابوالھذیل حصین بن عبدالرحمٰن سلمی الکوفی ثقہ تھے کبار اصحاب الحدیث میں سے تھے المزی، تہذیب الکمال ۵۲۳/۶
۶۴۔ کنیت ابوعبداللہ تھی ثقہ تابعی تھے اور کثیر الحدیث تھے۔ ابن حبان کتاب الثقات ۶۳/۵
۶۵۔ المزی، تہذیب الکمال ۴۷/۵
۶۶۔ معمر بن مثنی الیتمی البصری نحوی اور لغوی، السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، لبنان ۲۹۶/۲
۶۷۔ ابوعبیدۃ، مجاز القرآن، الناشر محمد سامی أمین الخانجی المکتبۃ بمصر الطبعۃ الاولی ۱۳۸۱ھ۔ ۱۹۶۲ء ۸/۱
۶۸۔ الاعراف: ۱۶۰
۶۹۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، دوست ایسوسی ایٹس پبلشرز لاہور ۱۹۹۴ ص ۲۱۳۔
۷۰۔ بغدادی، خزانہ الادب ۶/۱۔ السیوطی، الاقتراح فی أصول النحو ص ۳۷، القیروانی، ابن رشیق، العمدۃ، دارالکتب، بیروت، لبنان ۱۹۷/۱

۷۱۔ بغدادی، خزانۃ الادب ۱/۵

۷۲۔ بغدادی، خزانۃ الادب ۱/۶

۷۳۔ الرافعی، تاریخ آداب العرب ۱/۲۷۹۔

۷۴۔ السیویۃ، الکتاب ۱/۵۳

۷۵۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن ص ۲۹۲

۷۶۔ الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن ۲/۱۸۹۔ السیوطی، الاتقان ۴/۲۲۱۔ طاش کبری زادہ مفتاح السعادۃ ۲/۵۴۵

۷۷۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن ص ۲۹۴۔۲۹۲

۷۸۔ ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر ص ۲۸

۷۹۔ الشاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ ص ۶۷۰

۸۰۔ ابن تیمیہ، مقدمۃ فی اصول التفسیر ص ۲۸ طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ ۲/۵۳۸

۸۱۔ النووی، البیان فی آداب حملۃ القرآن، دار ابن حزم، بیروت ص ۱۶۷

۸۲۔ المائدۃ: ۹۳

۸۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری ۵/۵۵۹

۸۴۔ الشاطبی، الموافقات ص ۶۷۷

۸۵۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم کتاب الاشرابہ ۳/۱۵۷۰

۸۶۔ الشاطبی، الموافقات ص ۶۷۷

۸۷۔ التوبۃ: ۱۰۳

۸۸۔ السیوطی: الاتقان ۴/۲۱۹۳

۸۹۔ طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ ۲/۵۴۰

۹۰۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۴/۵

۹۱۔ النووی، التبیان فی آداب حملۃ القرآن ص ۱۶۶

۹۲۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۴/۲۰۹، الزرکشی، البرھان ۲/۱۷۷

۹۳۔ ابن قتیبہ :الاختلاف فی اللفظ ص ۳۱۔۳۰ السمعانی ابی المظفر تفسیر القرآن ۱۰۸/۶
۹۴۔ القیامۃ :۲۲۔۲۳
۹۵۔ یونس :۲۶
۹۶۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز ۱۵/۳ ۱۱ ابن القیم، اجتماع الجیوش الاسلامیۃ ۱۵۱/۱
۹۷۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱۶۳/۱۔ الترمذی کتاب صفۃ الجنۃ باب ماجآء فی رویۃ الرب تبارک وتعالیٰ ۴۰۷/۳۔
۹۸۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب التوحید باب **وجوہ یومئذ الی ربھا ناظرۃ** ۲۳۰۲/۴
۹۹۔ ابن قتیبہ، الاختلاف فی اللفظ ص :۳۱۔ ابن ابی العز، شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۲۸۷
۱۰۰۔ البیہقی، کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد ص ۱۲۱
۱۰۱۔ الانعام :۱۰۳
۱۰۲۔ البیہقی، کتاب الاعتقاد ص ۱۲۲
۱۰۳۔ االاعراف :۱۴۳
۱۰۴۔ البقرۃ :۹۵
۱۰۵۔ الزخرف :۷۷
۱۰۶۔ الاعراف :۱۴۳
۱۰۷۔ ابن قتیبہ، الاختلاف فی اللفظ ص ۳۱، ۳۲
۱۰۸۔ ابن عبد البر، التمھید ۱۵۳/۷۔ الدارمی، کتاب الدرعلی الجھمیۃ ص ۱۲۵
۱۰۹۔ السیوطی، الاتقان ۲۱۸/۴ ۱ الزرکشی، البرھان ۱۸۳/۲
۱۱۰۔ ابوعمر یوسف بن عبد اللہ محمد بن عبد البر المزی الاندلسی مشہور حافظ محدث ومورخ تھے۔ الذھبی، تذکرۃ الحافظ ۲۱۹/۳۔ ابن خلکان، وفیات الأعیان ۶۸/۷
۱۱۱۔ الحدید ۵۷
۱۱۲۔ البیہقی، موسوعۃ الاسماء والصفات ۱۰۰۳/۴
۱۱۳۔ الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن ۲۲۴/۲، ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم، ۴۴/۸

۱۱۴۔ الحدید: ۵۷
۱۱۵۔ النحل: ۱۶
۱۱۶۔ العنکبوت: ۲۹
۱۱۷۔ طہٰ: ۲۰
۱۱۸۔ بنی اسرائیل۔ ۱۶۔ ۱۷
۱۱۹۔ الاعراف۔ ۷
۱۲۰۔ النحل، ۱۶
۱۲۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۶/۲۶۶
۱۲۲۔ الدخان، ۴۴
۱۲۳۔ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن ۲/۲۱۸
۱۲۴۔ الاندلسی ابی حیان، البحر المحیط ۸/۵۷، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۷/۲۳۹
۱۲۵۔ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن ۲/۲۲۹
۱۲۶۔ القصص: ۲۳
۱۲۷۔ النحل: ۱۲۰
۱۲۸۔ الزخرف: ۲۲
۱۲۹۔ یوسف: ۴۵
۱۳۰۔ البقرۃ: ۲۳۸
۱۳۱۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب التفسیر باب ' قوموا لله قانتین'' ۳/۱۳۷
۱۳۲۔ البقرۃ: ۲۳۸
۱۳۳۔ عبدالفتاح المصری، المعلقات فی کتب التراث ص: ۴۰
۱۳۴۔ یوسف: ۸۲
۱۳۵۔ ابن قتیبہ تأویل مشکل القرآن ص ۱۳۳، ابن الاثیر، المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر ۱/۳۵۱
۱۳۶۔ دیوان نابغہ ذبیانی ص: ۳۰

۱۳۷۔ الھذلی، شرح اشعار الھذلیین، ص ۱۲۶۸

۱۳۸۔ دیوان طرفہ بن عبد، ص ۶۲

۱۳۹۔ الدرعد: ۳۱

۱۴۰۔ النور: ۲۰

۱۴۱۔ دیوان امرؤ القیس ص ۸۷۔ دیوان میں پہلے شعر میں " وأقسم " کی بجائے " وجدكَ " ہے اور دوسرے شعر میں " سریحة " کی بجائے " جمعیة "۔

۱۴۲۔ القیروانی، ابن رشیق، العمدة ۲۵۳/۱

۱۴۳۔ ص: ۳۲

۱۴۴۔ ص: ۳۱

۱۴۵۔ العادیات: ۴

۱۴۶۔ القصص: ۱۰

۱۴۷۔ التکاثر: ۳۔۴

۱۴۸۔ الفاتحہ: ۴

۱۴۹۔ الانشراح: ۶

۱۵۰۔ الانفطار: ۱۷۔۱۸

۱۵۱۔ الثعالبی، فقہ اللغۃ وسر العربیۃ، ص ۴۱۷، ابن الاثیر، المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر ۱۴۸/۲